ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.1 (2026)
(January to March)

ناصر بغدادی کا افسانہ "آدھا گناہ آدھی عبادت" کا نفسیاتی مطالعہ

Nasir Baghdadi's Short Story "Aadha Gunah, Aadhi Ibadat": A Psychological Study

انیلا شہزادی

ایم۔فل اسکالر، شعبہ اُردو، ایمرسن یونیورسٹی، ملتان

Aneela Shahzadi

M.Phil Scholar, Department of Urdu, Emerson University, Multan

Article Details
Received:
February 20, 2026
Accepted:
March 03, 2026
Online Published:
March 16, 2026

Copyright: © 2026 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Nasir Baghdadi's short story "Adha Gunah Adhi Ibadat" is a psychoanalytic study of religious hypocrisy centered on Hafiz Ji, a devout man who buys a house next to that of Akhtari, a professional sex worker, intending to purify himself through worship. His compulsive rituals and fear of nocturnal sounds function as reaction formation, masking a repressed fascination he cannot acknowledge. Rather than avoiding the "sin" next door, he obsessively monitors Akhtari's clients through his disciples, projecting his own suppressed preoccupation onto her as "satanic interference" in his devotion. Secondary figures reveal this hypocrisy further: Mukhtar, one such client, self-medicates through alcohol and Akhtari after being betrayed by his own beloved, while Dino, a taxi driver secretly in love with Akhtari, is humiliated when he proposes marriage yet compulsively returns, illustrating repetition compulsion.

Key words: Psychoanalytic criticism ,repression, projection, voyeurism, religious hypocrisy, repetition compulsion, rigid superego

ناصر بغدادی اُردو ادب میں ایک ایسی شناخت کے حامل ہیں جن کی فکری تربیت مشرق و مغرب دونوں کے علمی سرچشموں سے ہوئی۔ محمد حسن عسکری جیسے صاحبِ بصیرت نقاد کی شاگردی نے ان کے اندر تخلیقی سنجیدگی اور تنقیدی شعور کی وہ بنیاد رکھی جو بعد میں ان کی نثر کا امتیازی وصف بن گئی۔(۱) معاشیات جیسے علمِ عقلیت پر مبنی مضمون میں اعلیٰ تعلیم اور برسوں دیارِ غیر میں گزارا ہوا وقت، ان کے ہاں محض واقعاتی تجربہ بن کر نہیں رہا بلکہ اس نے ان کے اسلوب کو ایک گہرے تجزیاتی اور غیر جذباتی رنگ سے ہمکنار کیا۔ بطور مدیر "بادبان" انھوں نے جس بے باکی اور غیر جانبداری کو اپنا شعار بنایا، وہی خصائل ان کی افسانہ نگاری میں بھی جھلکتے ہیں، جہاں وہ سماجی رویوں کو کسی مصلحت کے بغیر پورے فنی توازن کے ساتھ بے نقاب کرتے ہیں۔(۲)

ناصر بغدادی کی تخلیقی انفرادیت محض موضوعات کے انتخاب میں نہیں بلکہ اس گہرائی میں پنہاں ہے جس کے ذریعے وہ انسانی کردار کے باطن تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ ان کا افسانوی اسلوب روایتی بیانیہ سے آگے بڑھ کر کردار کی داخلی کیفیات، اس کے تضادات اور لاشعوری محرکات کو موضوع بناتا ہے، جس سے ان کے افسانے محض کہانی کہنے کے عمل سے بلند ہو کر انسانی نفسیات کے مطالعے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں ان کا فن روایتی افسانہ نگاری کی حدود کو عبور کرتا ہوا، مذہب، سماج اور

ذاتی نفسیات کے پیچیدہ معاملات کو موضوع بناتا ہے۔ ایک ایسا امتزاج جو ان کے افسانوں کو محض سماجی تبصرے کے بجائے گہرے نفسیاتی مطالعے کا درجہ عطا کرتا ہے۔ ناصر بغدادی کا افسانہ ''آدھا گناہ آدھی عبادت'' حافظ جی نامی ایک مذہبی کردار کے گرد گھومتا ہے، جو ایک ایسے مکان میں مقیم ہیں جس کے پڑوس میں ایک فاحشہ عورت اختری رہائش پذیر ہے۔ حافظ جی نے یہ مکان آبادی سے ذرا ہٹ کر محض عبادت کی غرض سے خریدا اور اسے اپنی تسبیح، نماز اور اوراد و وظائف کا مرکز بنالیا مگر رات کے وقت اختری کے گاہکوں کی آمد پر دروازے کی پراسرار چرچراہٹ ان کے دل میں شدید خوف پیدا کرتی رہتی ہے جس پر وہ آیات پڑھ کر اور استغفار کر کے خود کو تسلی دیتے ہیں۔ رات بھر مختلف اوقات میں یہی دستک بار بار سنائی دیتی ہے، اور ہر بار حافظ جی کے ذہن میں کسی نہ کسی کردار کی یاد اور اس سے جڑا ایک اخلاقی قصہ ابھرتا ہے۔ کبھی ایک ایسے مکان کا تذکرہ جسے حافظ جی مذہبی بہانے سے سستے داموں ہتھیانا چاہتا ہے، کبھی احمد بھائی کا قصہ جس نے اپنی حاملہ بیوی اور معصوم بچی کو بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا، اور کبھی مختار اور اختری کے ادھورے عشق اور بعد ازاں مختار کی بے وفائی کی داستان۔ افسانہ اس وقت اپنے عروج کو پہنچتا ہے جب صبح ایک مرید آکر حافظ جی کو خبر دیتا ہے کہ اختری، جو حافظ جی کے لیے ایک مستقل الجھن بنی ہوئی تھی، طوفانی رات ہی میں بیماری اور بے کسی کی حالت میں چل بسی، اور رات بھر اس کے مکان کا کھلا دروازہ ہوا سے ٹکرا کر وہی آواز پیدا کرتا رہا جسے حافظ جی نے پوری رات کسی مافوق الفطرت خطرے کی علامت سمجھ رکھا تھا۔

افسانے کا عنوان خود ہی اس نفسیاتی جدلیات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کے اندر گناہ اور عبادت، نفرت اور تقویٰ، خوف اور تسکین ایک ساتھ اور بیک وقت موجود رہتے ہیں۔ فرائیڈ کی اصطلاح میں اسے Splitting کہا جا سکتا ہے یعنی شخصیت کا دو متضاد حصوں میں بٹ جانا۔ ایک حصہ جو مقدس اور پارسا نظر آنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا جو غصے، نفرت اور انتقام کی لاشعوری قوتوں سے چلتا ہے۔ حافظ جی کی نفسیات کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ ان کی مذہبیت خالص روحانی تسکین کے بجائے دفاعی طریقہ کار کے طور پر کام کرتی ہے۔ نفسیات میں اسے ''ری ایکشن فارمیشن'' (Reaction Formation) کہا جاتا ہے جہاں انسان اپنے اندر موجود ناقابلِ قبول جذبات جیسے اس افسانے میں غصہ، نفرت اور انتقام کو ان کی بالکل الٹ شکل میں، یعنی ضرورت سے زیادہ عبادت گزاری اور تسبیح و استغفار کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ دروازے کی آواز پر ان کا خوفزدہ ہو کر آیت الکرسی پڑھنا اور پھر اسی سانس میں لعنت و ملامت پر اتر آنا، اس بات کی علامت ہے کہ ان کی عبادت دراصل ایک اندرونی بے چینی کو دبانے کی کوشش ہے، نہ کہ سکون کا ذریعہ تھا۔ حافظ جی کو اختری کے کے اوقات اس قدر راسخ ہو گئے تھے کہ وہ بغیر دیکھے اندازہ کر لیتے تھے۔ پہلے گاہک کی آمد کے وقت حافظ جی خود سے یوں گویا ہوتے ہیں:۔

> ''عین اسی لمحے ان کی نظر اختری کے مکان کی طرف اٹھ گئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ اس طوفانی رات میں بھی! جیسے ہر راہ بھولے مسافر کو اپنی ابلیسی پناہ میں لینے کی خواہش کر رہا ہو۔ اس مکان کو دیکھ کر حافظ جی کا غصہ عود آیا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے یہ مکان نہ ہو بلکہ دوزخ کا ایک دہکتا ہوا کونا ہو۔ جیسے یہ موٹی موٹی دیواریں نہ ہوں بلکہ گناہوں کے بت کھڑے بھولے بھالے انسانوں کو اپنی طرف بلا رہے ہوں۔''(۳)

حافظ جی کا غصہ مذہبی زبان میں لپٹ کر جائز بن جاتا ہے حالانکہ اس کی جڑیں ذاتی رنجش اور نفرت میں پیوست ہیں۔ کہانی کے آغاز میں دروازے کی چرچراہٹ پر حافظ جی کا شدید خوفزدہ ہو جانا محض توہمِ خرافات نہیں بلکہ ایک گہرے لاشعوری احساسِ جرم کا اظہار ہے۔ نفسیاتی تجزیے کی رو سے، شدید مذہبی مظاہرہ اکثر اس داخلی خوف کی تلافی ہوتا ہے کہ انسان خود کو، اپنی گہرائی میں، اتنا پاک

نہیں سمجھتا جتنا وہ ظاہر کرتا ہے۔ تسبیح، آیات کا بار بار دہرانا اور استغفار کی کثرت، ایک طرح کی جبری فعلیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو اندرونی اضطراب کو قابو میں رکھنے کی ایک کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ خوف کی یہ کیفیت دراصل خود اپنے باطن سے خوف ہے۔ اس ممکنہ گناہ سے جو حافظ جی کے اندر موجود ہے لیکن جسے وہ کبھی تسلیم نہیں کرتے۔

وہ مکان جسے حافظ جی نے محض عبادت کی نیت سے خریدا، دراصل اس گھر کے قریب واقع تھا جس میں اختری رہائش پذیر تھی۔ ایک ایسی عورت جسے معاشرہ فاحشہ قرار دیتا تھا۔ حافظ جی نے آبادی سے ہٹ کر عبادت میں سہولت کی خاطر یہ مکان حاصل کیا تھا مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس فیصلے نے انہیں ایک ایسی عورت کا پڑوسی بنا دیا ہے جس کے وجود کو وہ گناہ اور نجاست کی علامت سمجھتے تھے۔ علامتی سطح پر یہ ہمسائیگی انسانی نفس کی اس اندرونی کشمکش کا استعارہ بن جاتی ہے جہاں "پاکیزہ" انا (Ego) اور "ناپاک" سمجھے جانے والے لاشعوری خدشات کے درمیان کوئی مستقل، محفوظ فاصلہ برقرار نہیں رہ پاتا۔ اختری کا گھر عین اُن کی دیوار سے جڑا ہونا دراصل اس نفسیاتی حقیقت کی علامت ہے کہ جس گناہ کو انسان اپنے سے دور اور بیگانہ سمجھنا چاہتا ہے، وہ دراصل ہمیشہ اس کے قریب، اس کی اپنی حدود کے عین پہلو میں موجود رہتا ہے۔ معاشرتی منافقت بھی یہیں کھل کر سامنے آتی ہے۔

عورت کو تنہا مجرم اور فاحشہ ٹھہرا دیا جاتا ہے جبکہ اس کے گرد موجود مردانہ استحصال اور دھوکہ دہی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حافظ جی کی بے چینی، خوف اور دروازے کی چرچراہٹ پر ان کا مبالغہ آمیز ردعمل دراصل اس لاشعوری خطرے کی عکاسی کرتا ہے کہ جس نجاست کو وہ دور رکھنا چاہتے ہیں، وہ ایک دیوار کے فاصلے پر، ہر لمحہ ان کی اپنی دنیا میں در آنے کو تیار ہے اور فرائیڈ کے مطابق، جسے دبایا یا الگ کیا جاتا ہے، وہ کسی نہ کسی صورت لوٹ کر ضرور آتا ہے۔ گھر کی "پراسرار آوازیں" اس لحاظ سے حافظ جی کے اپنے اُس خوف کی بازگشت ہیں کہ گناہ کی موجودگی، چاہے وہ کتنی ہی دور رکھی جائے، انسانی دائرۂ حیات سے کبھی مکمل طور پر خارج نہیں کی جا سکتی۔ افسانے کا آغاز ہی اپنے اندر بھرپور تجسس لیے ہوئے ہے:۔

> "دروازے کی زور دار آواز طوفانی ماحول کے لرزتے ہوئے سینے پر ہچکولے کھاتی ہوئی بہت دور تک چلی گئی۔ حافظ جی نے چونک کر تسبیح کو ایک طرف رکھ دیا اور بے ساختہ بول پڑے۔ "پہلا گاہک۔"(۴)

افسانے کا کردار مختار فاحشہ خاتون اختری کے متعدد گاہکوں میں سے ایک ہے جس کی نجی محبت کی کہانی حافظ جی کو معلوم ہے۔ اصل نفسیاتی محور اختری یا مختار کا کردار نہیں بلکہ خود حافظ جی کا دوہرا طرزِ عمل ہے۔ وہ عبادت میں مصروف رہتے ہوئے بھی اپنے چیلوں اور مریدوں کے ذریعے اختری کے گاہکوں کی تفصیلی نگرانی کرواتا رہتا ہے۔ یہ سلوک ایک خفیہ، دائمی تجسس کی علامت ہے جو بذاتِ خود جنسیت میں ایک لاشعوری دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے مگر اسے اخلاقی نگرانی اور دینی حمیت کا نقاب پہنا دیا جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم نکتہ یہ ہے کہ حافظ جی اسی دوران یہ بھی محسوس کرتے رہتے ہیں کہ اختری کا وجود ان کی عبادت میں شیطان کی مداخلت ہے۔ یہ محض ہمسائیگی کی جھنجھلاہٹ نہیں بلکہ نفسیاتی اسقاط کی واضح مثال ہے۔ اپنے اندر موجود جس تجسس اور فکری الجھن کو وہ خود قبول نہیں کر پاتے، اسے وہ اپنی ذات سے نکال کر اختری کے وجود پر شیطانی مداخلت کے طور پر تھونپ دیتے ہیں۔ اختری کے دوسرے گاہک مختار کی آمد کے وقت حافظ جی کے ذہن پر مختار اور اختری کا نقشہ طاری ہونے لگتا ہے جسے وہ شیطان کا غلبہ قرار دیتا ہے:۔

> "استغفر اللہ! اس بار حافظ جی کو غصہ آ گیا۔ وہ خدا کی حمد کرتے کرتے بدکاروں کے متعلق سوچنے لگے تھے۔ "اے خدا تو نے مجھے یہاں لا کر کس مصیبت میں گرفتار کر دیا۔ دیکھ!

تیرے گناہگار بندے مجھے تیری عبادت بھی نہیں کرنے دیتے۔" انہوں نے شیطان پر ستر ہزار مرتبہ لعنت بھیجی اور پھر تسبیح لے کر وظیفہ میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔۔۔"(۵)

افسانے کا عنوان ہی اپنے اندر ایک بنیادی مابعد جدید حکمتِ عملی رکھتا ہے۔ روایتی مذہبی فکر میں گناہ اور عبادت کو دو الگ، متضاد اور واضح طور پر متعین درجوں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ناصر بغدادی عنوان ہی میں ان دونوں کو "آدھا" اور "آدھی" کہہ کر اس یقینی ثنویت کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ یہ تکنیک دریدا کی لاتشکیل سے قریبی مطابقت رکھتی ہے، جس کے مطابق مغربی فکر میں رائج ہر ثنویت (اچھا/برا، گناہ/ثواب) کے اندر ایک درجہ بندی پوشیدہ ہوتی ہے جسے متن کے قریبی مطالعے سے الٹا یا کم از کم غیر مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ افسانے میں حافظ جی کی ظاہری عبادت مسلسل اس کے پوشیدہ گناہوں؛ مکان ہتھیانے کی نیت، پڑوسیوں کے حقوق میں کوتاہی سے مشروط دکھائی جاتی ہے، جس سے گناہ اور عبادت کی حدود دھندلا جاتی ہیں اور عنوان کا مضمرِ معنی پوری کہانی میں عملی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں ان کی عبادت میں خلل دراصل اختری کی موجودگی سے نہیں بلکہ ان کے اپنے ذہن میں اس کے بارے میں بار بار پیدا ہونے والے خیالات اور معلومات کے تعاقب سے پیدا ہوتا ہے مگر اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے بجائے وہ اسے ایک بیرونی شیطانی طاقت سے منسوب کر دیتے ہیں۔ یوں حافظ جی کی عبادت اور ان کی تجسس آمیز نگرانی ایک ہی نفسیاتی ساخت کے دو رخ بن جاتے ہیں۔ جتنی شدت سے وہ اختری اور ان کے گاہکوں کو گناہ اور شیطان سے جوڑتے ہیں، اتنی ہی شدت سے وہ خود ان کی زندگی میں دلچسپی لیتے ہیں اور یہی تضاد اس افسانے کی سب سے گہری معنویت کو واضح کرتا ہے۔

تیسرے گاہک کے معاملے میں حافظ جی کا کردار ایک نہایت گہری نفسیاتی گتھی کھولتا ہے۔ ایک عبادت گزار، تسبیح و اوراد میں مصروف بندہ، رات کے وقت اختری کے دروازے پر آنے والے ہر گاہک کی تفصیلی خبر رکھتا ہے۔ چاہے وہ کوئی امیر کبیر شخص ہو یا دینو جیسا معمولی ٹیکسی ڈرائیور۔ یہ معلومات کسی اتفاقی سماعت یا عام بازاری گپ شپ کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک منظم، تسلسل پر مبنی نگرانی کا نتیجہ ہیں جسے وہ اپنے چیلوں اور مریدوں کے ذریعے مسلسل اپ ڈیٹ کرواتے رہتے ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے یہ ایک واضح جبری تجسس کی علامت ہے، ایسا ذہنی رجحان جہاں انسان کسی ممنوعہ یا گناہ آلود موضوع سے دور رہنے کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر لاشعوری طور پر اسی موضوع کے گرد اپنی ذہنی توانائی اور وقت کا ایک بڑا حصہ صرف کرتا رہتا ہے۔ حافظ جی ٹیکسی ڈرائیور دینو کی اختری سے بیاہ کی خواہش اور اختری کے ردِ عمل سے آگاہ ہیں:

"حافظ جی کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ ایک دن باتوں ہی باتوں میں اس نے اختری سے شادی کی درخواست کی تھی۔ اس کی بکواس پر اختری کی پیشانی پر حیرت کی سلوٹیں نمودار ہو گئی تھیں۔۔۔۔

"یا اللہ! رحم کر" اس بار حافظ جی جھلا گئے۔ وظیفہ پڑھتے پڑھتے ان کے دماغ کی رگ پھر پھڑک گئی تھی۔"(۶)

اس نگرانی کی نوعیت خاص طور پر معنی خیز ہے۔ حافظ جی محض یہ نہیں جانتے کہ اختری کے پاس کوئی آتا ہے بلکہ وہ ہر گاہک کی حیثیت، وقت اور تفصیلات تک سے واقف ہیں گویا وہ رات کے ان اوقات میں اختری کی مکمل روزمرہ زندگی کا ایک ذہنی نقشہ رکھتے ہیں حالانکہ وہ خود کبھی اس دہلیز پر قدم نہیں رکھتے۔ یہ بن دیکھے واقفیت خفیہ تانک جھانک کی ایک نفسیاتی شکل ہے جو جسمانی شرکت

کے بغیر بھی، محض معلومات کے حصول اور ذہنی تصور کے ذریعے، ایک قسم کی تسکین فراہم کرتی ہے۔ عبادت گزاری کا نقاب اس رویے کو جواز فراہم کرتا ہے۔ وہ خود کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ نگرانی دینی حمیت یا برائی پر نظر رکھنے کے زمرے میں آتی ہے حالانکہ اصل محرک ایک لاشعوری، جنسیت آمیز تجسس ہے جسے مذہبی زبان میں ڈھال کر قابلِ قبول بنالیا گیا ہے۔

یہاں امیر اور غریب گاہکوں، دونوں طرح کے لوگوں پر یکساں نظر رکھنا اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ حافظ جی کی دلچسپی محض اخلاقی فیصلہ سازی (کون زیادہ گناہ گار ہے) تک محدود نہیں بلکہ خود اس منظر اور اس کی تفصیلات میں گندھی ہوئی ہے۔ فرائیڈ کی اصطلاح میں یہ ری ایکشن فارمیشن اور جبری فعلیت کا امتزاج ہے۔ جتنی شدت سے وہ اس ماحول کو ناپاک اور شیطانی قرار دیتے ہیں، اتنی ہی شدت سے وہ اس کے ہر پہلو سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی تضاد ان کی عبادت کو ایک پیچیدہ، خود فریبی پر مبنی نفسیاتی ساخت میں بدل دیتا ہے جہاں پرہیز گاری اور تجسس ایک ہی سکے کے دو رخ بن جاتے ہیں۔ افسانے کا اختتام، جہاں موت کی خبر پر حافظ جی کا ردعمل سچے دکھ کے بجائے بے تعلق تجسس معلوم ہوتا ہے، پورے افسانے کے نفسیاتی موضوع کی معراج ہے۔

> "محلے والوں کا کہنا ہے کہ رات بھر اس کا دروازہ کھلا رہا تھا اور وہ بار بار ہوا کے زور سے دیوار سے ٹکرا کر آواز پیدا کرتا رہا لیکن اس میں اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ اُٹھ کر دروازہ بند کر سکتی۔
>
> "اس کے کسی گاہک نے اس کی فکر نہ کی؟" (۷)

یہ لمحہ ثابت کرتا ہے کہ برسوں کی مذہبی مشقت، تسبیح اور عبادت کے باوجود، حافظ جی کے اندر حقیقی ہمدردی (Empathy) پروان نہیں چڑھ سکی۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں افسانہ نگار عنوان کی معنویت کو مکمل کرتا ہے۔ عبادت اگر باطنی تطہیر اور دوسروں کے لیے محبت پیدا نہ کر سکے تو وہ محض "آدھی عبادت" ایک ظاہری فعل رہ جاتی ہے جبکہ نفرت، تعصب اور بے حسی، عبادت کے لبادے میں چھپا ہوا "آدھا گناہ" بن کر باقی رہ جاتے ہیں۔ ناصر بغدادی نے اس افسانے میں مذہب، سماج اور روزمرہ زندگی کے ملغوبے سے ایک ایسا نفسیاتی خاکہ تشکیل دیا ہے جو انسانی شخصیت کے تضادات کو بے نقاب کرتا ہے۔ حافظ جی کا کردار محض ایک فرد کی کہانی نہیں بلکہ اس اجتماعی نفسیات کی عکاسی ہے جہاں مذہبی علامات کو ذاتی نفرتوں، سماجی تعصبات اور جذباتی بے حسی کے پردے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ افسانہ قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ حقیقی عبادت اور محض عبادت کی نقالی میں فرق دراصل انسان کے باطنی رویوں ہمدردی، معافی اور رحم دلی میں پوشیدہ ہے، نہ کہ محض ظاہری مذہبی مظاہرے میں ہے۔

"آدھا گناہ آدھی عبادت" ایسا افسانہ ہے جو مذہبی رسمیت اور ظاہری تقویٰ کے پردے میں چھپے تضادات کو بے نقاب کرتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار حافظ جی ہے، جو تسبیح ہاتھ میں لیے، طوفانی ماحول میں دروازے پر ہونے والی زوردار دستک سے چونک اٹھتا ہے اور بے ساختہ 'یہ پہلا گاہک ہے" پکار اٹھتا ہے (بے شناخت، ص ۲۱)۔ یہ ابتدائی منظر ہی مذہبی علامتوں اور خوف کے امتزاج سے ایک ایسی فضا تشکیل دیتا ہے جس میں عبادت اور گناہ کی حدود دھندلا جاتی ہیں اور عنوان ہی میں موجود تضاد "آدھا گناہ" اور "آدھی عبادت" پورے افسانے کی مرکزی علامت بن جاتا ہے۔ یہ افسانہ دراصل اس مذہبی و اخلاقی عظیم بیانیے پر سوال اٹھاتا ہے جو انسان کو محض دو خانوں یعنی گنہگار اور پرہیز گار میں تقسیم کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ناصر بغدادی اس دوہرے معیار کو کردار کی داخلی کشمکش کے ذریعے بے نقاب کرتے ہیں اور یوں مذہبی رسمیت کے اس مرکزیت زدہ تصور کو، جو ظاہری عبادت کو باطنی اخلاقیات پر فوقیت دیتا ہے، رد تشکیلی انداز میں چیلنج کرتے ہیں۔ اسی نوعیت کے موضوعات ان کے افسانے "اذان" میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں،

جہاں مذہبی علامتیں اور اصطلاحیں اپنے روایتی، اطمینان بخش معنی سے آزاد ہو کر ایک زیادہ پیچیدہ اور متضاد صورتِ حال کی عکاسی کرتی ہیں۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ ناصر بغدادی کا یہ رویہ مذہب کی مکمل نفی یا تضحیک پر مبنی نہیں، بلکہ وہ مذہبی ادارے کی رسمیت اور اس کے سماجی استعمال کو موضوعِ بحث بناتے ہیں جبکہ ایمان اور باطنی کیفیت کے احترام کو برقرار رکھتے ہیں۔ یہ نزاکت ان کے فن کو محض بغاوتی یا مذہب مخالف ادب سے ممتاز کرتی ہے اور اسے ایک زیادہ متوازن اور غور طلب موقف عطا کرتی ہے، جو مابعد جدید تنقید کے اس بنیادی اصول سے ہم آہنگ ہے کہ رد تشکیل کا مقصد کسی نظام کو مکمل طور پر مسمار کرنا نہیں بلکہ اس کے اندرونی تضادات کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔

کہانی میں حافظ جی بظاہر مذہبی اتھارٹی اور اخلاقی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، مگر متن دھیرے دھیرے اس مرکزیت کو کھوکھلا ثابت کرتا چلا جاتا ہے۔ متن میں یہ وضاحت دی گئی ہے کہ حافظ جی کے اعمال ان کی عبادت میں رخنہ ڈال سکتے تھے (بے شناخت، ص ۲۳)، اور یہ کہ وہ پڑوسیوں کے حقوق پوری طرح ادا نہیں کرتا تھا۔ یوں مذہبی شخصیت، جو روایتی افسانے میں عموماً اخلاقی رہنمائی کا مرکز ہوتی ہے، یہاں خود ایک غیر مستحکم اور مشتبہ اخلاقی حیثیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ حکمتِ عملی مشل فوکو کے اس تصور سے ہم آہنگ ہے کہ علم و اقتدار کے مراکز (یہاں مذہبی اتھارٹی) اپنے اندر ہی طاقت کے غیر مساوی اور اکثر منافقانہ ڈھانچے چھپائے ہوتے ہیں، جنہیں متن کے قریبی مطالعے سے بے نقاب کیا جا سکتا ہے۔

افسانے کی سب سے نمایاں مابعد جدید تکنیک دروازے کی دستک کی مسلسل، مبہم اور بالآخر از سرِ نو تفسیر شدہ علامت ہے۔ کہانی کے آغاز میں یہ دستک ایک مافوق الفطرت خطرے یا الہامی تنبیہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے، اور حافظ جی بار بار یا اللہ رحم کر اور استغفر اللہ جیسے فقروں سے اپنے خوف کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاہم کہانی کے اختتام پر یہی علامت اپنی پوری سابقہ معنویت سے محروم ہو کر ایک نہایت سادہ، بے رحم اور غیر مافوق الفطرت حقیقت میں بدل جاتی ہے۔ اختری کے مکان کا کھلا دروازہ جو ساری رات ہوا سے ٹکراتا رہا کیوں کہ وہ خود اسے بند کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔ معنی کی یہ اچانک تبدیلی، جہاں ایک ہی علامت دو بالکل متضاد تفہیمی امکانات کے درمیان معلق رہتی ہے، دریدا کے اس تصور کی عملی مثال ہے کہ کسی بھی علامت کا معنی کبھی حتمی طور پر متعین نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ملتوی اور دوسرے معانی کے تناظر میں مشروط رہتا ہے۔ قاری، حافظ جی کی طرح، پوری کہانی میں ایک غلط تفہیمی فریم ورک میں مقید رہتا ہے، اور جب حقیقت افشا ہوتی ہے تو یہ افشا محض ایک انکشاف نہیں بلکہ قاری کے اپنے تفہیمی عمل پر بھی ایک طنز بن جاتا ہے۔

افسانہ ایک خطی، واحد بیانیے کی بجائے کئی ذیلی کہانیوں کے امتزاج سے تشکیل پاتا ہے: حافظ جی کا اپنا قصہ، احمد بھائی کی بے وفائی کا قصہ، اور مختار و اختری کے ادھورے عشق کا قصہ۔ یہ تمام ذیلی داستانیں دستک کی آواز کے وقفوں سے جڑی ہیں اور بظاہر منتشر معلوم ہوتی ہیں، مگر بالآخر ایک ہی مرکزی نکتے — انسانی رشتوں میں بے وفائی، بے حسی اور مذہبی رسمیت کی ناکامی — پر آ کر مل جاتی ہیں۔ یہ بیانیاتی حکمتِ عملی، جسے تنقیدی اصطلاح میں کثیر الآوازی کہا جاتا ہے، متن کو کسی ایک مرکزی آواز یا واحد اخلاقی سبق تک محدود ہونے سے روکتی ہے اور اسے ایک زیادہ پیچیدہ، تہہ دار اور بعض اوقات متضاد معنوی ساخت عطا کرتی ہے۔

افسانے کا اختتام روایتی اصلاحی افسانے کے برعکس کسی واضح اخلاقی سبق یا کیفرِ کردار پر منتج نہیں ہوتا۔ اختری کی موت کی خبر سن کر حافظ جی کو غیر متوقع طور پر خوشی کی بجائے ایک مبہم بے چینی محسوس ہوتی ہے، مگر متن اس کیفیت کی مکمل وضاحت نہیں کرتا

، کیا یہ ندامت ہے؟ کیا یہ ضمیر کی خلش ہے؟ یا محض ایک ان کہی نفسیاتی الجھن؟ یہ ابہام، جو قاری کو کسی حتمی اخلاقی نتیجے تک پہنچنے سے روکتا ہے، لیوتار کے اس مؤقف سے ہم آہنگ ہے کہ مابعد جدید متن قطعی اور بند معنی کے بجائے کھلے اور جاری سوالات کو ترجیح دیتا ہے۔ یوں افسانہ محلے والوں کی اجتماعی بے حسی، حافظ جی کی مذہبی خود غرضی اور اختری کی تنہا موت کو کسی سبق آموز نتیجے میں مقید کیے بغیر قاری کے سامنے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

مجموعی طور پر ''آدھا گناہ آدھی عبادت'' ایک ایسا افسانہ ہے جو اپنی مختصر ہیئت کے باوجود متعدد مابعد جدید حکمتِ عملیوں کو مؤثر انداز میں بروئے کار لاتا ہے۔ عنوان کی سطح پر ثنویت کی رد تشکیل، مرکزی کردار کی اخلاقی ناقابلِ اعتباری کے ذریعے مذہبی اتھارٹی کی شکنی، مرکزی علامت (دروازے کی دستک) کی جان بوجھ کر پیدا کی گئی معنوی غیر یقینیت، کثیر الآوازی اور ذیلی بیانیوں کا امتزاج اور بالآخر ایک ایسا اختتام جو اخلاقی حتمیت کے بجائے ابہام اور سوال کو ترجیح دیتا ہے۔ ان تمام عناصر کے امتزاج سے ناصر بغدادی ایک بظاہر سادہ مذہبی و اخلاقی موضوع کو ایک پیچیدہ، کثیر معنیاتی اور فکر انگیز فنی تجربے میں تبدیل کر دیتے ہیں، جو اسے مابعد جدید اردو افسانے کی ایک قابلِ ذکر مثال بناتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ناصر بغدادی سے انٹرویو از ڈاکٹر غضنفر اقبال، مشمولہ: جدید اُردو ادب کی تنقید از ناصر بغدادی، کراچی، رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۲۵ء

۲۔ ناصر بغدادی کا ڈاکٹر خرم سہیل کو چینل جی ٹی وی کے زیر اہتمام پروگرام ''چائے خانہ'' میں انٹرویو، ۶ فروری ۲۰۲۱

۳۔ ناصر بغدادی، بے شناخت، کراچی: ندا پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص: ۲۲

۴۔ ایضاً، ص ۲۱

۵۔ ایضاً، ص ۲۶

۶۔ ایضاً، ص ۲۶، ۲۷

۷۔ ایضاً، ص ۲۸

Reference in Roman Urdu

1. Nasir Baghdadi se interview, Dr. Ghazanfar Iqbal, mashmoola: Jadeed Urdu Adab ki Tanqeed az Nasir Baghdadi, Karachi, Rang-e-Adab Publications, 2025.
2. Nasir Baghdadi ka Dr. Khurram Sohail ko Channel GTV ke zair-e-ehtimam program "Chai Khana" mein interview, 6 February 2021.
3. Nasir Baghdadi, Be-Shanakht, Karachi: Nida Publications, 1990, P: 22.
4. Ibid, p. 21
5. Ibid, p. 26
6. Ibid, p. 26, 27
7. Ibid, p. 28